التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۷۰۔۹۷

نظام تزکیہ کی روشنی میں ذہنی مسائل کا حل

سعدیہ اعجاز

"As you sow, you shall reap". Increasing rate of mental illness is due to the lack of knowledge of human personality. Though sciences have advanced with the passage of time but current statistics shows that we are on wrong direction. How can we suggest a therapy or medicine for a mentally sick person without realizing his unique functions of self and behaviour? A doctor diagnoses the disease and prescribes the medicines only if he has the knowledge of human anatomy, causes and cure of the diseases. Therefore, to solve mental and psychological problems we need to have detail insight of the human In this article, the increasing rate of mental personality. illness and disorder in the world is highlighted as a problem, various belief systems and theories of psychologists as the opinions and suggestions. The flawless model of human personality mentioned in the teachings of Islam_ Holy Quran and Sunnah is an ultimate solution for mankind. Fourteen centuries ago, State of Medina had set an example of mentally peaceful and contented society. to

decipher the challenges of depressed individuals and violent society we need to study and implement the Creator's (Allah) view of human personality.

عہد جدید کے انسان کے ذہنی و نفسیاتی مسائل کا حل دین اسلام کے "نظام تزکیہ" میں پوشیدہ ہے۔ ذہنی و نفسیاتی مسائل کے موجودہ اعداد و شمار، ذہنی و نفسیاتی بیماری کے بڑھتے ہوئے رجحان کو ظاہر کرتے ہیں، جو کہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ دنیا کی موجودہ تہذیبی و ثقافتی افکار و اقدار کے جائزے کے بعد ہم با آسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ بڑھتی ہوئی ذہنی و نفسیاتی بیماریوں اور مسائل کا حل صرف ماہرین نفسیات کی مجوزکردہ تھیراپی (Therapy) و ادویات سے زیادہ معاشرتی و تہذیبی نظام کی اصلاح میں پوشیدہ ہے۔

ڈبلیو۔ایچ۔او (WHO) کے ادارے SEARO [۱] کی رپورٹ کے مطابق، دنیا بھر میں ۴۵۰ ملین افراد ذہنی و نفسیاتی بیماری کا شکار ہیں، تقریباً ایک ملین افراد سالانہ خودکشی کرتے ہیں اور چار میں سے ایک خاندان کا ایک فرد ذہنی بیماری کا شکار ہے[۲]۔ ہر سال آسٹریلیا میں ۲۰،۰۰۰ افراد ذہنی بیماری کا شکار ہوتے ہیں، ذہنی الجھن کی بیماری اس ملک میں عام ہے، ہر ۷ میں سے ایک بالغ فرد ذہنی الجھن Anxiety میں مبتلا ہے۔ ان بالغ افراد کی عمریں ۳۰ سال سے کم اور ۱۸ سے ۲۴ سال کے درمیان ہیں۔ آسٹریلیا کے نوجوان نسل میں شدید ذہنی تناؤ Depression کی شکایت عام پائی جاتی ہے [۳]۔ ۲۰۰۴ کی رپورٹ کے مطابق، بیماری کے عالمی سطح پر بوجھ کی ۱۰ وجوہات میں خودکشی پہلے تیس، اور ڈپریشن چوتھے نمبر پر ہے جو کہ ۲۰۲۰ میں بڑھ کر پہلے اور دوسرے نمبر پر پہنچ جائے گی، اور اکثر ڈپریشن کا نتیجہ خودکشی پر موقوف ہوتا ہے۔[۴]

ماہرین نفسیات و طب النفس ان ذہنی و نفسیاتی بیماری و الجھنوں کے اسباب کے سدباب سے زیادہ ان کا علاج بذریعہ ادویات و تھراپی پر زور دیتے ہیں، جو اکثر عارضی ثابت ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں فرد و ماحول کی اصلاح کے لئے جو مشورے فراہم کئے جاتے ہیں وہ بھی عملی طور پر کارگر ثابت نہیں ہوتے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ادویات، تھراپی اور فرد و ماحول

کی اصلاح کے نفسیاتی مشوروں کی بنیاد، انسانی ذات و شخصیت کے مختلف المتنوع فکر و نظریات پر ہے جو کہ یا تو باہم متضاد ہیں یا ذات و شخصیت کا نامکمل خاکہ پیش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے معالج کے طبی و نفسیاتی مشورے مختلف معاشرتی و ثقافتی افکار و اقدار کا مؤثر دفاع نہیں کر پاتے۔ لہذا، فرد ان افکار و اقدار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور علاج کے باوجود ذہنی الجھن کا شکار رہتا ہے۔

مثلاً ڈبلیو۔ایچ۔او (WHO) کے ادارے SEARO[۵] کی رپورٹ کے مطابق، سری لنکا میں ۹۰٪ خودکشی کا رجحان بدھ مت کے پیروکاروں میں پایا جاتا ہے۔ جو کہ آبادی کا ستر (۷۰) فیصد ہیں۔ ڈبلیو۔ایچ۔او (WHO) کے بقول، عقیدہ تناسخ، اگلے جنم میں بہترین زندگی، موجودہ زندگی کا دکھ کی آماجگاہ ہونا اور حیات انسانی سمیت ہر شئے کا عارضی ہونا، ایسے عقائد ہیں جن کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ ان کے نزدیک جب کسی تہذیب کے باشندوں کے عقائد یہ ہوں کہ دنیا اور اس کی ہر شئے محض دکھ کا سبب ہے اور یہ بھی کہ زندگی بعد از موت کا وجود ہے تو خودکشی کرنا دشوار نہیں ہے[۶]۔

ذہنی و نفسیاتی الجھنوں کے سدباب کے لئے فرد و ماحول کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اور ان کی اصلاح کا انحصار ماہرین نفسیات یا غیر فطری اور روبہ تغیر نظریات developing theories، آراء پر ہرگز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ علم نفسیات و طب نفس بذات خود ارتقائی علوم، مذہبی عقائد اور مختلف انسانی تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہیں، جو کہ حتمی نہیں ہیں۔ چنانچہ جو علوم بذات خود ارتقاء پذیر ہوں اور جس کے نظریات غیر حتمی و غیر آفاقی ہوں وہ کیسے فرد واحد یا معاشرے کے لئے اصلاحی نظام پیش کرسکتے ہیں۔ ان کی پیش کردہ اصلاحات و اقدار کی حیثیت مجرد ایک رائے کی ہے۔ اس کی بنیاد پر کسی ایسے نظام کی جس پر افراد کی ذہنی و نفسیاتی صحت کا دارومدار ہو بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقی معنوں میں کوئی نظام ایسا موجود ہے جو فرد و معاشرے کی نفسیاتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ذہنی الجھنوں سے پاک پرسکون زندگی کا ضامن ہو؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں دنیا کے تمام افکار و مذاہب کا عمیق نظری سے

مطالعہ کرنا ہوگا کہ کون سا مکتبہ فکر و نظر فرد کی انفرادیت کو قائم رکھتے ہوئے انسانی ذات و شخصیت کی تفہیم اور مقام و مرتبہ کی فطرت کے عین مطابق ہمہ گیر وضاحت کرتا ہے؟ اور ایسے اصول وضع کرتا ہے جس پر عمل کرکے اجتماعی و انفرادی طور پر ہمہ گیر ذہنی سکون حاصل ہوسکتا ہے؟

فلسفہ مذاہب میں ہندومت ایک قدیم ترین ارتقائی مذہب ہے۔ اس کے فلسفہ حیات میں انسان کلیدی کردار کا مالک ہے۔ انسان میں موجود آتما (روح) اپنی حقیقت سے آگہی اور خودشناسی کے ذریعے انسان کو برہما سے قریب کرتے ہوئے اس سے اتصال کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ مایا (مادی خاصیت)، پراکرتی (فطرت) اور دنیا، انسان کو خواہشات، جذبات و احساسات کے جال میں پھانس کر حقیقت سے غافل کردیتے ہیں۔ چنانچہ غافل انسان اپنے مقام و مرتبہ سے ناآشنا رہتا ہے۔ اگر اپنی روش کو برقرار رکھے تو جنم در جنم ذلت و رسوائی اور پاتال میں عذاب اسکا مقدر ٹھہرتا ہے۔ جبکہ ''خودشناسی کے ذریعہ خدا شناسی'' ہی ہندومت کا موضوع ہے۔ خودشناسی کا یہ طویل سفر اپنے مسافر سے اطمینان اور صبر کا تقاضا کرتا ہے۔ منو کہتا ہے کہ،

> ''سمانیت کے خواہش مند کو چاہئے کہ قناعت اور ضبط نفس اختیار کرے۔ اس لئے کہ سمانیت کی جڑیں قناعت میں ہیں جبکہ عدم سمانیت کے لئے اس کے برعکس (عدم قناعت) ہے''۔ [منودھرم شاستر، چوتھا باب، ۱۲، ص ۹۵]

لامحدود خوشی، لامتناہی علم اور ذاتی حیثیت کی فطری خواہش اس بات کی دلیل ہے کہ انسان دکھ، جہالت اور وابستگی سے نجات حاصل کرکے ہی فطرت کی تکمیل کرسکتا ہے۔ تکمیل انسان کا یہ فلسفہ ہندو حکماء و مفکرین کا موضوع رہا ہے اور اس کے لئے انہوں نے مختلف نظام تربیت پیش کئے ہیں۔ جن کے ذریعے انسان کاملیت کے درجے کو پہنچ سکتا ہے۔ ان نظام تربیت کو یوگا سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا بنیادی مقصد **'نفس انسانی'** کا برہما کے ساتھ اتصال ہے

تاکہ تکمیل انسانیت ہو سکے۔

یہودیت میں انسان ایک اعلیٰ و منفرد مقام کی حامل مخلوق ہے۔ روحانیت اور معاشرت کا معیار انسانی ذات کے اعلیٰ وقار و مقام سے متصل ہے۔ عہد نامہ قدیم کی تعلیمات میں انسان خدا کی شبیہ قرار دیا گیا ہے۔ عہد نامہ قدیم میں تخلیق انسانی پر روشنی ڈالتے ہوئے اسکے مقام کا تعین ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اور خدا نے انسان (آدم) کو اپنی صورت پر پیدا
کیا۔ خدا کی صورت پر اُسکو پیدا کیا۔ نر و
ناری[۷] اُنکو پیدا کیا۔ اور خدا نے ان کو برکت
دی اور کہا کہ پھلو (زمین پر اپنی نسل بڑھاؤ) اور
بڑھو اور زمین کو معمور اور محکوم کرو اور سمندر کی
مچھلیوں اور ہوا کے پرندوں اور کل جانوروں پر
جو زمین پر ہیں چلتے ہیں اختیار رکھو۔ (پیدائش
۱ : ۲۷، ۲۸)

مذکورہ تعلیمات سے علماء اخذ کرتے ہیں کہ یہودیت میں روحانیت کے تجربہ کرنے کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ذات میں خدا کی شبیہ و صورت کو تقویت دے۔ انسان کے اعمال و کردار، عادات و اطوار درحقیقت خدا سے رابطہ کا ذریعہ ہیں۔ خدا کو دنیا میں قابل ادراک بنانے کا ایک طریقہ اس کی موجودگی کو دنیا میں مشاہدہ کرنا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔

[۸]Ultimately to know yourself is to know God.

ربّی (Rabbi) علماء کے نزدیک انسان جسم و روح دونوں کا مرکب ہے۔ انسان کا جسم خاکی اور اسکا تعلق زمین سے ہے۔ جبکہ روح الہامی ہے چنانچہ اسکا تعلق الٰہیات سے ہے۔ اس نظریے کی افادیت اہل یہود میں اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ انسان دو متضاد فطرتوں، نورانی و حیوانی، سے متصف ہے۔ چنانچہ انسان اپنی قوت ارادی سے نورانی فطرت کو حیوانی پر ترجیح دیکر روحانیت کو پروان چڑھا سکتا ہے اور حیوانی فطرت کو جسمانی افعال کے ذریعے زیر کر

سکتا ہے یا اسکے برخلاف۔ اس ربانی عقیدہ و عمومیت میں ایک بنیادی مسئلہ جو ابھرتا ہے وہ یہ کہ انسان اپنی حیوانی ضرورتوں کو ترک کرتے ہوئے روح کی افزائش کرے۔ اس طرح انسان حیوانی ضرورتوں کے بغیر دنیا میں اپنا سلسلہ حیات جاری نہیں رکھ سکے گا۔ چنانچہ ان ربانی تعلیمات میں مزید ایک پہلو کا اضافہ ہوتا ہے۔ ربّی علماء جسم اور اس کی ضرورتوں کو قابل قدر مانتے ہوئے ان کو پورا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نفس و ذات سے متعلق اخلاقیات کا پیمانہ مقرر کرتے ہیں، کیونکہ اب ان کے نزدیک انسانی جسم اسی طرح قابل توقیر ہے جیسے روح کیونکہ جسم روح کے لئے مثل سواری کے ہے۔

عیسائیت میں انسان کو دو مرکبات، جسم اور روح کا مجموعہ کہا گیا ہے۔ جبکہ مسیحی علماء کے مطابق ابتداء ہی سے اسکندریہ کے کلیسیا انسان کو تین عناصر ـــ روح، جسم اور جان ـــ کا مرکب سمجھتے تھے۔ یہ تصور عہد نامہ جدید میں کثرت سے نظر آتا ہے۔ پولس (دیگر جگہ انہیں پال Paul بھی کہا گیا ہے) اور اسکے شاگرد بھی اس عقیدے کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن سینٹ اوگسٹین نے انسان کو دو عناصر سے مرکب ہونے کی توجیہ پیش کی۔ ان کے مطابق انسان جسم اور روح یعنی مادی اور غیر مادی عناصر کا مجموعہ ہے۔ سینٹ اوگسٹین کے نظریے کے مطابق انسان کا مادی حصہ اس کو مادیت کی طرف کھینچتا ہے۔ جبکہ روح خدا کی طرف سے ہے۔ چنانچہ روح اسکو روحانی فکر و فائدے کی دعوت دیتی ہے۔ انسان جسم کے باعث گناہ میں ملوث ہوا اور ابدیت کی زندگی سے نکالا گیا لہذا اب روح ہی اسکو گناہ کی لعنت سے نجات دلا سکے گی[۹]۔

مسیحی تعلیمات کے مطابق انسان کی کامیابی دنیا میں راستباز ہونے پر منحصر ہے۔ راستباز وہی ہوسکتا ہے جو اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرچکا ہو۔ لہذا جس نے زندہ خدا کے دنیا میں دکھ اٹھائے، مصلوب ہونے اور مر کے جی اٹھنے پر غیر متزلزل یقین کیا اس نے گناہوں کے کفارے میں خود کو شامل کرلیا۔ چنانچہ وہی انسان کامل متصور کیا جاتا ہے جس نے خدا کے بیٹے یسوع مسیح کے کفارے پر کامل اعتقاد قائم کیا ہے۔ ایسے انسان کو آخرت میں کاملیت کے علاوہ عدالت سے برأت اور خدا اور اسکے بیٹے یسوع مسیح کی ابدی رفاقت نصیب ہوگی۔[۱۰]

مذہبی افکار وعقائد کے برخلاف ماہرین نفسیات اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں انسانی ذات وشخصیت کے مختلف ومتضاد افکار پیش کرتے ہیں۔مثلاً Psychoanalysis کے بانی سگمنڈ فرائیڈ Sigmund Freud کے نزدیک بچپن کے تجربات شخصیت سازی کا باعث ہیں[۱۱]۔وہ کہتا ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد خوشی کا حصول اورغم سے نجات پانا ہے اور یہی انسانی افکار، جذبات و اعمال کی تحریک کا باعث ہیں[۱۲]۔فرائیڈ کا معروف نظریہ یہ بھی ہے کہ ذہن تین مدارج یا levels پر سرگرمی ظاہر کرتا ہے جس کو شعور، تحت الشعور اور لاشعور سے موسوم کیا جاتا ہے[۱۳]۔جبکہ کارل ژنگ Carl Jung[۱۴] کے مطابق انسان فرائیڈ کے نظریہ کے برخلاف بیرونی دنیا یعنی معاشرے اور ماحول سے متاثر ہوکر اپنے خواہشات کی تکمیل کرتا ہے تاکہ نفسانی خواہشات کے تحت۔کارل ژنگ اس تصور کو اجتماعی لاشعور **Collective Unconscious** کا نام دیتا ہے۔الفریڈ ایڈلر Alfred Adler[۱۵] کے نزدیک انسانی زندگی میں حائل رکاوٹیں اوراحساس کمتری کے فطری جذبات اعمال کی تحریک وتوانائی کا سبب بنتے ہیں۔

مذکورہ افکار کے علاوہ علم نفسیات میں مختلف مکتبہ فکر ونظر موجود ہیں۔جان واٹسن John Watson[۱۶]، کرداریت Behaviourism یعنی کردار کے مطالعے و مشاہدے کے ذریعے انسانی شخصیت کی تحقیق کوعلم نفسیات کا موضوع تصور کرتا ہے۔اس کے نزدیک انسانی ذات وشعور کا مطالعہ ناممکن ہے۔لہذا ذات وشعور کے وہ امور جنہیں تجربہ وحواس کے ذریعہ احاطہ نہ کیا جاسکے اس کی تحقیق کو ترک کردیا چاہیے۔علمائے کرداریت کے نزدیک، کردار ماحول سے اثر قبول کرتا ہے، چنانچہ ماحول انسان کے مطلوب کردار کا تعین کرتے ہیں، علاوہ ازیں آموزش یعنی سیکھنے کے اُصول ونتائج کے ذریعے کردار کی تشکیل کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

کرداریت کے برخلاف، ادراکی نفسیات Cognitive Psychology کے مفکرین انسان کوفطری طور پر فیصلہ ساز اور خودمختار سمجھتے ہیں۔ان کے مطابق انسان ماحول سے جبری اثر

پذیر ہونے کے بجائے اپنی کردار سازی کے حوالے سے عقلی اختیار کا حامل ہے۔وہ اپنے قوت ارادی کے ذریعے اپنے کردار، ذاتی تصورات اور شخصیت کو نہایت مختصر عرصے میں تبدیل کرسکتا ہے۔علاوہ ازیں، ان کے نزدیک فکر، انسان کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔اس طرح اس مکتبہ فکر کے ماہرین، ذات کے مختلف امور مثلاً مقام ضبط Locus of control، تاثیر ذات Self Efficancy اور تنظیم ذات Self Regulation پر مفصلاً روشنی ڈالتے ہیں۔عہد جدید میں یہ مکتبہ فکر ماہرین نفسیات میں مقبول ہے۔

انسانیت پسند مکتبہ فکر Humanistic Approach، گذشتہ افکار ونظریات کو رد کرتے ہوئے انسانی ذات وشخصیت کے مجموعی مشاہدے ومطالعے کا حامی ہے۔ان کے نزدیک، انسان کا مقصد، زندگی اس کی کردار سازی کا موجب بنتا ہے، انسان فطرتاً اچھائی (یعنی اوصاف حمیدہ) کو پسند کرتا ہے لہذا اپنے ذات وکردار کے خصائل میں اضافے کی کوشش کرتا ہے، دنیا کو دیکھنے اور سمجھنے کا انداز اسکے ذاتی رویے اور کردار کی عکاسی کرتا ہے۔ابراہم ماسلو Abraham Maslow[۱۷]، انسان کی ضروریات کی ترتیب پیش کرتے ہوئے تجویز کرتا ہے کہ ہر انسان منفرد انداز میں اپنی حیاتیاتی ضرورت سے لیکر حقیقت ذات کی تکمیل تک مصروف عمل ہے۔ان ضروریات کی تکمیل اس کے افکار، جذبات و اعمال میں تحریک کا باعث بنتے ہیں۔اس مکتبہ فکر کے حاملین، شخصیت کو مختلف مرتب ومنظم اوصاف وخصوصیات کی بنیاد پر منقسم کرتے ہوئے اس کی تشریح کرتے ہیں۔مثلاً اساسی شخصی Cardinal traits، مرکزی Central traits اور ثانوی خاصیتیں Secondary traits وغیرہ۔

عہد جدید کا مقبول عام مکتبہ فکر، حیاتیاتی اسلوب فکر Biological Approach کو تصور کیا جاتا ہے۔اس کے ماہرین کے نزدیک نفسیاتی افکار وجذبات کا انسان کے عصبی وعضویاتی نظام سے گہرا تعلق ہے۔یعنی ذہن دماغ میں مقیم ہے اور یہ کہ ہمارے افکار، جذبات اور کردار مادی و حیاتیاتی اسباب کا نتیجہ ہیں۔ان کے نزدیک، ہمارے حسی اور غدودی افراج کی صلاحیت،

ذہانت، مزاج اور جذباتیت، شخصیت کے قابل منتقل اوصاف (یعنی موروثی) ہیں (شیمر، ۱۹۹۳)[۱۸]۔ حیاتیاتی ماہرین نفسیات کے نزدیک، انسانی نسل نے حیوانی وراثت سے ارتقائی منازل کو طے کر کے موجودہ صورت اختیار کی ہے۔

مذکورہ بالا افکار و نظریات کا عمیق مطالعہ ہمیں بحیثیت مجموعی اس امر کی تحقیق کی طرف دعوت ہے کہ کیا روئے زمین پر کوئی مکمل و جامع نظریہ و نظام حیات موجود ہے جو انسان کا اصل و حقیقی حیثیت میں احاطہ کرتے ہوئے معاشرے کا حقیقی تصور و کردار پیش کرتا ہے۔ الغرض، مختلف مذاہب اور سائنسی و معاشرتی افکار کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسانی ذات و شخصیت کی تفہیم اور اس کے مقام و مرتبہ کی وضاحت اور معمولات زندگی سے متعلق سوالات کا تیر حاصل جواب فقط دین اسلام میں ملتا ہے۔ مذکورہ بالا دعوے کی بنیاد عصبیت کے بجائے قوانین فطرت کے مشاہدے، تاریخی شواہد و تجربات پر مبنی ہے۔

دین اسلام کے بنیادی مصادر، انسان کا اصلی و حقیقی حیثیت میں احاطہ کرتے ہوئے معاشرے کا حقیقی تصور و کردار عالمگیر اُصولوں پر پیش کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

☆ دین اسلام الہامی ضابطہء حیات پیش کرتا ہے۔ یعنی اس کو مرتب کرنے والا انسان کی جزوی و ارتقائی فکر و عقل کا مالک نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی حکیم و علیم جیسی بہترین صفات کی حامل ذات ہے۔ خالق حقیقی کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ ہی انسان کی ذات و شخصیت کی حتمی و واضح تشریح کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن حکیم میں فرماتے ہیں، الا یعلم من خلق و ھو اللطیف الخبیر[۱۹]، ترجمہ: کیا وہ ہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے وہ بارک بین اور ہر شے سے باخبر ہے۔

☆ دین اسلام کا مخاطب ایک عہد، علاقہ یا نسل کا انسان نہیں ہے۔ اس دین کا مخاطب انسان بحیثیت مجموعی ہے، جس کا تعلق ہر دور، علاقے و نسل سے ہے۔ چنانچہ اس دین کے اُصول و ضوابط ایسے خطوط پر استوار ہیں جو زمان و مکان کے ساتھ ساتھ ہر انسان کی منفرد

فکری، جذباتی اور عملی صلاحیتوں و رجحانات کا احاطہ کرتے ہیں۔

☆ دین اسلام دنیا کو عارضی قرار دینے کے باوجود اس زندگی کو بہترین و ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے دار عمل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے اُصول و ضوابط انسان کو اپنے بنیادی حیاتیاتی، ذاتی اور شخصی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہوئے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی دعوت و تحریک کا باعث بنتے ہیں۔

☆ دین اسلام میں انسانی زندگی کا مقصد نفسانی، کرداری و معاشرتی محرکات کی تسکین و تکمیل نہیں ہے۔ انسان کی زندگی کا اعلیٰ و ارفع مقصد اپنے خالق حقیقی کی رضا کی مقدور بھر عملی کوشش کرنا ہے۔ خالق حقیقی کی رضا کی جستجو، انسان کو حیوانی تقاضائے بشریت یعنی نفسانی، کرداری و معاشرتی محرکات کی تسکین و تکمیل سے بلند کر کے مستقل و مسلسل انفرادی و اجتماعی اصلاح و فلاح کے امور میں مصروف عمل رکھتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اعلیٰ کرداری اوصاف کے حامل افراد سے متصف معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اس معاشرے کی مثال ہمیں تاریخ کے دریچوں میں ریاست مدینہ سے ملتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح مخبر حق، محمد رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سال کے عرصے میں ایک جنگجو قوم و نسل کو اوصاف حمیدہ سے متصف کرتے ہوئے اعلیٰ اخلاقی خطوط پر استوار معاشرہ پیش کیا۔

قرآن حکیم، انسان کی ذات و شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس سے بہترین اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں ذات و شخصیت کے مختلف کلیات کے مابین عمل پذیری کو جدول کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم کے بغور مطالعے سے ہم انسانی ذات میں کارفرما کلیات کی عمل پذیری کے ساتھ ساتھ ان کے اثرات کو شخصیت کے کردار، یعنی جذبات و افعال میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ انسانی ذات کے کلیات میں ۱۔ عقل، ۲۔ ارادہ، ۳۔ موروثیت، ۴۔ علم و تعلم، ۵۔ خواہشات و محرکات، ۶۔ فکر، ۷۔ عقائد شامل ہیں۔ ان کی عمل پذیری کا مشاہدہ براہ راست نہیں کیا جاسکتا۔ ہم مذکورہ کلیات ذات کا عکس، کلیات کردار یعنی ۱۔ مزاج، ۲۔ جذبہ، ۳۔ فعل و عمل میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔ درج ذیل میں ان کلیات نفس کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

ذات ـــ جوہر نفس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ o(المائدہ ۔ ۲۵)

ترجمہ: موسیٰ نے کہا، اے میرے رب! بے شک مجھے اپنے آپ اور اپنے بھائی کی ذات کے سوا کسی پر اختیار نہیں، چنانچہ تو ہمیں اس نافرمان قوم سے الگ کردے۔

دین اسلام میں انسان کا تصور۔۔۔ احسن تقویم کی رعایت کرتے ہوئے معرفت و اطاعت الٰہی سے مکمل ہوتا ہے۔ ذات کی مثال انجن کی سی ہے جو امور نفس کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ اسکے کلیات (علم، عقل، ارادہ، فکر و خواہشات وغیرہ) کی حیثیت اس انجن میں کل پرزوں کی ہے جو باقاعدہ نظام کے تحت اپنے تئیں کام کرتے ہیں اور اگلے پرزوں میں نتائج Product کی صورت ارسال کرتے رہتے ہیں۔

عقل Intellect:۔ تعلیمات اسلام کے مطابق عقل intellect، انسان کی وہ صلاحیت ہے جس سے وہ غور و فکر کرتا ہے، ادراک realization، فہم understanding، ذکاء intelligence، محاکمہ judgement، معرفت recognition، تعلم learning، شعور perception، تمیز differentiation جیسے افعال انجام دیتا ہے۔ عقل کا معتدل استعمال انسان کو انسان کے درجے پر فائز رکھتا ہے۔ بصورت دیگر اسفل سافلین کی صف میں شامل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتے ہیں؛

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِ وَکِیۡلًا o اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا o(الفرقان: ۴۳،۴۴)

ترجمہ: کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو ان جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

دین اسلام، انسان کو فکر و عمل کے انتخاب میں **اختیار** choice کا حق دیتا ہے۔ یہی دراصل اس کی آزمائش بھی ہے کہ فکر و عمل کے انتخاب میں اعلیٰ و ارفع خصوصیات کو اختیار کرتا ہے یا اسفل و قبیح کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں؛

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ o(الملک:۲)

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

دین اسلام، تعقل میں اعتدال کے اُصول کو اختیار کرنے کا قائل ہے۔ انسان اعتدال کے اُصول تعقل کو اختیار کرکے مدبر و منظم، ذکی اور باشعور نفس کا مالک بنتا ہے۔ اگر حد اعتدال سے تجاوز کرے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری جیسے اوصاف کا حامل ٹھہرتا ہے اور اگر عقل میں ضعف ہو تو کند ذہن، احمق اور بیوقوف کہلاتا ہے۔

ارادہ Free will:۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے جو انسانی ذات و شخصیت کے رجحان و میلان کی وضاحت کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں ارادے کی مختلف نوعیت و کیفیت بیان کی گئی ہیں، مثلاً عزم ۔ کسی کام کا حتمی اور قطعی طور پر کرنے کا ارادہ کرنا عزم کہلاتا ہے۔ ارادہ بنیادی حیثیت میں محض خیال، آرزو، تمنا یا خواہش ہوتا ہے ۔ کسی خیال اور آرزو میں تسلسل اور شدت ارادے میں پختگی کا سبب بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الاسراء آیت نمبر ۱۸، ۱۹ میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا o وَ مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا o

(الاسراء ۱۸۔۱۹)

ترجمہ: جو کوئی جلدی والی (دنیا) چاہے تو ہم اسی (دنیا) میں جس کیلئے چاہیں جس

قدر چاہیں جلد عطا کرتے ہیں، پھر اس کیلئے ہم جہنم تجویز کر دیتے ہیں، وہ اس میں مذموم اور دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔ اور جو آخرت چاہے اور اس کیلئے پوری پوری سعی کرے، جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی سعی قابل قدر ہے۔

موروثیت Heredity:۔ انسانی نفس کی فکری و عملی تغیر و اصلاح میں **موروثیت** اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انسان کا کردار و ذات صرف اس کے والدین کی تربیت کے مرہون منت نہیں ہوتا۔ اسکے عادات و اطوار، چال چلن اور اسکے خلق و خلق میں دو خاندانوں کا باہم مجموعہ واضح مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ظاہری شکل و صورت (خلق)، شعور، رجحانات و میلانات اور عمل و ارادے کی صلاحیتیں وغیرہ۔ جدید تحقیق کے مطابق انسان اپنے اجداد سے امراض بھی وراثت میں پاتا ہے۔ ایسے افراد میں موروثی امراض مثلاً دل کی بیماریاں اور کینسر وغیرہ کا میلان Tendency دیگر افراد سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ بچے کی ذات و کردار کا انحصار والدین کے باہمی تعلق پر ہوتا ہے۔ ماں باپ کا ایک دوسرے کیلئے مودت، احترام اور ایثار و قربانی کا جذبہ بچہ کے نفس پر مثبت اثر ڈالتا ہے۔ اسکے موروثی خلیہ Genes میں یہ جذبات و اوصاف بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ ایسے بچے نشوونما کے دوران ضبط نفس، محبت، خود اعتمادی اور تکریم انسانی جیسے اوصاف اپنی ذات میں ڈھالتے ہیں۔ ایسے بچے بڑے ہو کر مستحکم ذات و کردار کے حامل بنتے ہیں۔ ان کی خلوص اور مدلل ذہانت اور پاکیزہ ارادے، ان کی زندگی کو دیگر کے مقابلے میں ظاہری و روحانی ناپاکی اور آلودگی سے دور رکھتے ہیں اور کامیاب زندگی میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف جن بچوں کے والدین محض جنسی و شہوانی خواہش کو پورا کرتے ہیں۔ ان بچوں میں مذکورہ اوصاف ناپید ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ان میں مایوسی، ذہنی انتشار، دوسروں کیلئے شدید نفرت اور احساس کم تری جیسے مسائل شدید نوعیت کے پائے جاتے ہیں۔ ایسے بچوں میں یکسوئی کا نقدان ہوتا ہے۔ لہٰذا بڑے ہو کر ایسے بچے شدید منفی جذبات کا اظہار منشیات کے استعمال، خودسوزی یا جرائم کے ذریعہ کرتے ہیں اور اگر اس سے بھی ان کی نفرت و مایوسی میں کمی نہ ہو تو خودکشی سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اسکے والدین اسے

یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے ایک جانور ایک صحیح سالم جنم دیتا ہے، کیا تم اسے کان کٹا ہوا پاتے ہو؟" [۲۰]

علم و تعلم:۔ نفس انسانی، زندگی کے ہر لمحے سیکھنے کے عمل سے گزرتا ہے۔ سیکھنے کا یہ عمل عمر کے مختلف ادوار میں مختلف نوعیت اور کیفیت اختیار کرتا ہے۔ شعوری اور لاشعوری تعلم Learning کا یہ عمل انسان میں حقائق و معلومات کے خزانے Database میں روز افزوں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس خزانے سے انسان مختلف صورتحال اور مسائل کے حل تلاش کرتا ہے اور ترقی کے مواقع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ دین اسلام میں **علم** کے چار ماخذ و مصادر کا ذکر ملتا ہے۔ الہام، وجدانی علم، وحی اور سچے خواب۔ اور قرآن حکیم میں **تعلم** کے چار ذرائع کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ ۱۔ اتباع و اقتداء Following، ۲۔ تجربہ (آزمائش و خطا) Experience (Trail & Error)، ۳۔ دلائل اور بحث و مباحثہ Agruements & Discussion، ۴۔ تدبر و تفکر Contemplation & Reasoning۔ مثلاً، **دلائل و بحث مباحثہ، تدبر و تفکر، تجربہ اور اتباع۔** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ (یونس ۱۵)

ترجمہ: اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں: تو اس کے علاوہ کوئی (دوسرا) قرآن لے آیا اسے (کچھ) بدل دے۔ کہہ دیجئے مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنے طرف سے بدل دوں میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔

تجربہ (آزمائش و خطا): Experience (Trail & Error)

انسان زندگی کے تمام ادوار میں، شعوری و غیر شعوری حالتوں میں ماحول سے علم اخذ کرتا ہے۔ اس انداز سے سیکھنے کا عمل تسلسل سے جاری رہتا ہے۔ ماحول سے حاصل شدہ تجربات اپنے

تسلسل کی وجہ سے نفس انسانی میں تبدیلی کا موجب ہوتے ہیں ۔ اگر نفس میں فکری عمل مستحکم نہ ہو اور خواہشات کا غلبہ ہو تو ماحول کے اثرات نفس کو یکسر تبدیل کر دینے کا سبب بنتے ہیں ۔ اس کے برعکس ، فکری عمل میں استحکام اور عقائد میں ایمان و ایقان کی پختگی ، نفس ماحول سے صرف حق پر مبنی اثرات کو قبول کرتا ہے اور بقیہ تمام اثرات کو رد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔ لیکن اگر فکری استحکام اور یقین کی پختگی کا عملی نمونہ پیش کرے تو فرد معاشرے میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے ۔ اگر ایسے نفوس کی معاشرے میں کثرت ہو تو ماحول میں خاطر خواہ تبدیلی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ۔ المختصر یہ کہ ، نفس ماحول کے اثرات بصورت ظرف قبول کرتا ہے ۔ اگر فکر و عمل میں پختگی نہ ہو تو ماحول کے اثرات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیتا ہے ۔

تمام مسلم علماء اور مفکرین کے نزدیک علم کے معیاری ہونے کی پہچان یہ ہے کہ علم انسان کو سچ و جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات میں حق و باطل کا فرق اور عمل میں اعتدال اور حسن و قبح کے مابین پہچان کرنے میں معاون ہو ۔ اگر یہ صلاحیت انسان کو حاصل ہو جائے تو وہ حکمت کا حقدار ٹھہرتا ہے ۔ جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ ''خیر کثیر'' فرماتے ہیں ۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَآءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ط وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ (البقرۃ ۔ ۲۶۹)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس شخص کو حکمت دی گئی تو اسے بہت بھلائی عطا کی گئی اور (ان باتوں سے) عقل مندی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔

فکر وہ مقام یا درجہ ہے ، جہاں انسان کسی کام کی انجام دہی کیلئے اس کے تمام پہلوؤں سے غور و فکر کرتا ہے ، مثلاً

۱۔ مطلوبہ وسائل کا جائزہ لیتا ہے ،

۲۔ متبادل حل کے امکانات کی فہرست مرتب کرتا ہے ،

۳۔ نتائج و انجام کار کا متبادل حل کی مناسبت سے جائزہ لیتا ہے

۴۔ اور تمام صورتوں میں نفع و نقصان کا تخمینہ لگاتا ہے ۔

غور و فکر کے اس عمل کے دوران ازخود کچھ عقائد Believes راسخ ہو کر فکر کے دائرہ عمل سے خارج ہو جاتے ہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جن عقائد پر فکر مشتمل ہو جاتی ہو وہ ازخود فکر سے نکل کر عقائد میں منتقل ہو جاتے ہیں ۔ جن امور پر یقین پختہ نہیں ہوتا وہ شکوک و شبہات کا درجہ پاتے ہیں ۔ ایسی صورت میں دو احتمال ہو سکتے ہیں کہ مذکورہ شکوک و شبہات **فکر** یا **عقائد** میں کسی ایک درجے پر منتقل ہو جائیں یا پھر ان دونوں کے درمیان لاشعوری طور پر گردش کرتے رہیں ۔ اگر مذکورہ شکوک و شبہات فکر میں جگہ بنائیں تو فکر ان سے چھٹکارہ پانے کے لئے علم اور عقل کو دعوت دیتی ہے ۔ علم اور عقل اگر ازخود مدلل اور اطمینان بخش علمی مواد سے بھرپور ہیں تو فکر میں شکوک و شبہات کے مسائل کو حل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں ۔ ورنہ دوسری صورت میں فکر انہیں غیر حل شدہ عقائد Unresolved Believes کی حیثیت سے ''**عقائد**'' کے درجے میں منتقل کر دیتی ہے ۔ ایسے عقائد بظاہر نظری و فکری معاملات میں پس پشت چلے بھی جائیں تب بھی فکر اور عقائد کے نظام عمل میں ارتعاش و انتشار کا سبب بنتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ إِنْ هَذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ (المدثر: ۱۸ تا ۲۹)

ترجمہ: بے شک اس نے غور کیا اور اندازہ لگایا ۔ تو وہ مارا جائے ! کیسا اندازہ لگایا ؟ پھر وہ مارا جائے کیسا اندازہ لگایا ؟ پھر اس نے دیکھا ۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا ، پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا ۔ پھر اس نے کہا : یہ قرآن تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے ۔ یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے ۔ میں جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا ۔ اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ سقر کیا ہے ؟ وہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی پڑی جھلسا دینے والی ہے ۔

محرکات و خواہشات: اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ۝ (ال عمران ـ ۱۴)

ترجمہ:لوگوں کے لئے خواہشات نفس کی محبت مزین (پرکشش) کردی گئی ہے ،یعنی عورتوں سے ، بیٹوں سے ، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے ڈھیروں سے ، نشان زدہ (عمدہ) گھوڑوں سے ،مویشیوں سے اور کھیتی سے ، یہ سب دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔

مذکورہ شھوت کی حیثیت ، دین اسلام میں محرکات کی ہے ۔ دین اسلام محرکات کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی نوعیت ، کیفیت ، نفس پر اس کے اثرات اور نتائج کو تفصیلی بیان کرتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (الاعراف ـ ۱۷۶)

ترجمہ:اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں) کے ذریعے سے اسے بلند درجہ دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا ، چنانچہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی زبان لٹکائے ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بھی زبان لٹکائے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ، چنانچہ (اے نبی !) آپ (یہود سے) یہ قصہ بیان کردیں' شاید کہ وہ غوروفکر کریں۔

مسلم علماء ومفکرین کے مطابق شھوت حد اعتدال میں پارسائی و حیا کی ضامن ہے۔ لیکن حد سے تجاوز حرص اور ھویٰ کا سبب ہے ۔ اللہ تعالیٰ حیادار ہے اور حیا کو پسند فرماتا ہے ۔ خواہشات (شھوت ، ھویٰ) کے عمل پر غور کریں تو امر واضح ہوتا ہے کہ نفس میں خواہشات کا

مقام تسلسل سے جاری رہنے والا نظام ہے ۔ جس میں خواہشات بغیر کسی رکاوٹ کے نمودار ہوتی ہیں اور تسکین کے لئے نفس کے اعصابی ،نفسیاتی اور روحانی نظام کو متحرک رکھتی ہیں ۔ ان میں سے کچھ خواہشات شدت اختیار کرکے ارادہ کے درجے میں منتج ہوتی ہیں جبکہ دیگر تمام تر خواہشات ،فکر کے درجے کو مسلسل ضرب پہنچا کر اس کو منتشر کرنے کا سبب بنتی ہیں ۔

خواہشات کے اشتعال یعنی Excitement اور غلبے سے بچنے اور تدراک کا طریقہ کیا ہو؟

اس سلسلے میں دین اسلام چند نہایت اہم اصول اور عملی ضابطے کا تعین کرتا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہوکر نفس ،خواہشات کے مسلسل جاری رہنے والے نظام کو اعتدال میں قائم رکھ سکتا ہے ۔

۱۔ **ہر خواہش قابل عمل نہیں** ۔ کیونکہ خواہشات کی تسکین انسان جیسی مخلوق کا مقصد حیات نہیں ہے ۔ اس کی ذات کا مقصد ذات الٰہی کی معرفت اور اطاعت ہے ۔

۲۔ **خواہش کی حیثیت فکر میں گزرتے ہوئے خیال کی سی ہے چونکہ خواہشات کا پروان چڑھنا غیر اختیاری ہے** ۔ لہٰذا ان سے صرف نظر کرنا ہی اسکا علاج ہے ۔ دین اسلام میں ، دل میں پیدا ہونے والے برے خیالات وخواہشات کو قابل سزا اور گرفت نہیں تصور کیا جاتا ۔

۳۔ **جب بھی خواہش کے اشتعال میں اثر انگیزی محسوس ہو تو تعوذ کے ساتھ اپنی فکری یکسوئی کو اللہ کے ذکر کی جانب مبذول کرے** ۔ ذکر کی کیفیت قلبی بھی ہوسکتی ہے اور لسانی بھی ۔ اگر شدت محسوس ہو تو نماز اور روزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے استقامت طلب کرے ۔

۴۔ **نیک صحبت انسان کو لغو اور برے خیالات سے دور رکھتے ہوئے ، زندگی کے چیلنجز اور مقاصد کی طرف یکسو رکھتی ہے** ۔ اس طرح انسان اپنی ذات میں جاری خواہشات کی فکر پر اثر انگیزی سے تحفظ کو یقینی بناتا ہے ۔ کیونکہ فکر کی یکسوئی دیگر مثبتProductive امور کی جانب مبذول ہوجاتی ہے ۔ اس طرح وہ سکون کے پائیدار ذرائع کے حصول کو ممکن بنانے میں کامیاب ہوتی ہے ۔

تمام کلیات کے افعال کی کارکردگی کا انحصار مخصوص شرائط پر ہے ۔ مذکورہ شرائط درج ذیل ہیں۔

۱۔تمام کلیات ذات (علم، عقل،موروثیت ، ارادہ اور خواہش) کا حد اعتدال پر قائم ہونا۔

۲۔حد اعتدال کا تعین دین اسلام کی تعلیمات مقرر کرتی ہیں۔ چنانچہ ان کی پیروی کی جائے گی اور ان کو معیار تسلیم کیا جائے گا۔

۳۔حد اعتدال کے اصول وضوابط سے تجاوز و تناقض کی صورت میں دین اسلام کی طرف فوراً توبۃ النصوح کے ذریعہ رجوع کیا جائے اور تجاوز و تناقض پر اصرار نہیں کیا جائے گا۔

ذات کی کارکردگی کا دارومدار دو کلیات ذات یعنی ، فکر و عقائد پر ہے۔ جبکہ فکر و عقائد کا انحصار علم، عقل ،موروثیت اور ارادے کے باہم تعلق و رابطے اور خواہشات کے انفعالی معیار پر ہے۔ اعلیٰ معیار علم، عقل،موروثیت و ارادہ اور خواہشات کی کم سے کم انفعالیت Excitement اعلیٰ افکار کی ضامن ہیں۔ اعلیٰ افکار، یقین و ایمان کا سبب بنتے ہیں۔ اسکے برعکس خواہشات کی انفعالیت Excitementمیں زیادتی سے افکار میں انتشار و اضطراب واقع ہوتا ہے۔ منتشر و مضطرب افکار شکوک وشبہات کے حامل عقائد کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن حکیم میں مختلف امثال کے ذریعے فکر کی تین حالتیں واضح ہوتی ہیں۔

حالت نمبر ۱۔ افکار میں انتشار و اضطراب ہو۔ حالت نمبر ۲۔ افکار میں اعتدال ہو۔

حالت نمبر ۳۔ افکار میں عمدگی و سعادت پائی جائے۔ معیار عقائد، معیار افکار پر منحصر ہیں۔ یعنی، ۱۔ افکار میں انتشار و اضطراب ، عقائد میں شکوک وشبہات کا باعث ہوگا۔ ۲۔افکار میں اعتدال ، عقائد میں یقین کی صفت پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ ۳۔ افکار میں عمدگی و سعادت، اعلیٰ مراتب و مدارج کے ایمان کا باعث ہوگا۔

نفس (شخصیت) کی کردار سازی میں ذات کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اسکے کلیات کے افعال میں تغیر و تبدل کردار میں غیر مستقل مزاجی کا باعث ہے۔ ذات و کردار کی مثال، کسی شئے کی آئینے میں عکس کی ہے۔ شئے یہاں مثل ذات ہے اور اسکا عکس نفس کا کردار ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انما لاعمال بالنیات کے ذریعہ ذات و کردار کے اس تعلق کی طرف نشاندہی کی

ہے۔

کردار۔۔۔عکس ذات:۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے ذات و کردار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ٥ (القلم - ۴) اور یقیناً آپ خلق عظیم پر ہیں۔

اوّل کلیہ ء کردار، جذبہ:۔ قرآن حکیم کے مطالعے سے اس امر کی طرف نشاندہی ہوتی ہے کہ جذبات، نفس کے فکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ جذبات انسانی نفس کی قوت کا سبب ہیں جو فکر و عمل کے نظام کو متحرک رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں، یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فکر و جذبات ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔

جذبات (ہیجانات) انسانی حیات کی بقا اور نمو میں ایک عامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خوف بچاؤ کی تدابیر کے لئے اکساتا ہے، خوشی انسان کو مزید کوشش کرنے اور مقاصد کے حصول کے لیے حوصلہ دیتی ہے، تو غم و حزن ایسے امور سے اجتناب کے اسباب مہیا کرتے ہیں جن سے نقصان یا تکلیف کا احتمال ہو۔ محبت، نفس، کو اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کے لئے مشقت و ریاضت کے لئے اکساتی ہے اور تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ گھبراہٹ کا جذبہ نفس میں آنے والے مصائب کے لئے پیشگی تیاری کرنے کا موجب بنتا ہے۔ جان، عزت اور مال کی حفاظت کے لیے غصہ اور غضب کے جذبات معاون ثابت ہوتے ہیں۔

احسن تقویم کی شرط کو قائم رکھنے کا اسلوب یہ ہوگا کہ جذبات کو انکے حد اعتدال پر قائم رکھا جائے۔ کیونکہ حد اعتدال سے تجاوز کی صورت میں جذبات فکر پر اثر انداز ہوکر اسکی فعلیت کو متاثر کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ مصائب و آزمائش کے حالات میں معتدل جذبات فکری افعال میں بہتری کا سبب بنتے ہیں۔ حد اعتدال کو اختیار کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ نفس اپنی خطا اور گناہ جو جذباتی افراط و تفریط کا نتیجہ ہے تسلیم کرے، نادم ہو اور اصلاح کی طرف توجہ کرتے ہوئے آئندہ حد عدل کو تجاوز نہ کرنے کا اپنی ذات سے عزم باندھے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں

سے وعدہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (النحل: ۱۱۹)

ترجمہ: پھر بے شک آپ کا رب ان پر (مہربان ہے) جنہوں نے جہالت سے برے عمل کیے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، بیشک اس کے بعد آپ کا رب (ان لوگوں کیلئے) البتہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

دوم عمل: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ (النساء: ۱۷، ۱۸)

ترجمہ: اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے، تو وہ کہتا ہے: بے شک اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا۔

ترکیب انسانی میں نفس کے افعال، اسکے علم، عقل، ارادے اور خواہشات کا مظہر ہیں۔ ہمارے افعال کا انحصار عقائد پر مبنی ہے۔ چنانچہ افعال کے جائزے سے عقائد کی نوعیت و کیفیت کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ عقائد و افکار میں تغیر افعال میں تغیر کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرف نبی کریمؐ کی حدیث مبارکہ نشاندہی کرتی ہے کہ انما الاعمال بالنیات۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا

يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (ھود ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم انہیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور اس میں انکی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے اس (دنیا) میں کیا تھا اور جو عمل وہ کرتے رہے ضائع ہو گئے۔

افعال کی نوعیت خواہ کوئی بھی ہو اس میں تواتر، نفس کی عملی عادت کا موجب بنتا ہے۔ ابتدا یہ عادت شعوری حالت میں صادر ہوتی ہے۔ لیکن وقت گذرنے کے ساتھ مذکورہ عادت لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے کرنے کے لیے سوچنا نہیں پڑتا، مخصوص حالات و واقعات میں ازخود صادر ہوتا ہے۔ عادات کا تشکیل پانا اور ان میں تغیر و تبدل کرنا شعوری حالت میں مجاہدے و ریاضت طلب امر ہے۔ لیکن عمر کے ابتدائی سالوں میں بچے کو جن افعال کا عادی بنایا جاتا ہے، بچہ بغیر شعور و ادراک کے ان پر عمل کرتا رہتا ہے۔ اس امر کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا تھا کہ بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے اسکے والدین اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ چھوٹی عمر سے اختیار کی گئی غیر شعوری عادت نفسانی نظام افکار و عقائد کو متاثر کرتی ہے۔ إلا ماشاء اللہ۔

برعکس اسکے، وہ نفوس جو باذن اللہ اعمال صالح میں مشغول رہنے والے ہیں، داخلی یا خارجی سبب کی وجہ سے خلاف نفس کام کر بیٹھتے ہیں تو ان کے فکر و عقائد، خطرے کی گھنٹی بجا دیتے ہیں۔ یہ احساس ندامت ان کو عمل بد سے اجتناب کے لیے ابھارتا ہے۔ چنانچہ عمل بد سے اللہ کی رضا کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ احساس ندامت کے بعد اہل ایمان اپنے عمل بد پر اصرار نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ اس طرف نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ○ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (ال عمران: ۱۳۴، ۱۳۵)

ترجمہ: وہ لوگ جو خوشی اور تنگی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے، پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے؟ اور وہ اپنے کیے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔

افعال کا بجا لانا، دین اسلام کی اصطلاح میں **شکر** کہلاتا ہے۔ جبکہ افعال کی حق ادائیگی نہ کرنا **کفر** کہلاتا ہے۔ کفران نعمت، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ شکر گزاری کرنے سے نعمتوں میں اللہ تعالیٰ زیادتی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمانؑ کے قول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ،

..... لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ○ (النمل: ۴۰)

ترجمہ: تاکہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرے، اور جو کرتی شکر کرے تو بس وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری تو بلاشبہ میرا رب بڑا بے پرواہ نہایت فیاض ہے۔

نفوس میں سے ایک گروہ وہ بھی ہے جنکی خواہشات افعالی Exciting حالت اختیار کر لیتی ہیں۔ علم و عقل، خواہشات نفس کی کثرت کی وجہ سے غبار آلود ہو جاتے ہیں۔ خواہشات نفس کی کثرت کی وجہ سے اشیاء اور موجودات کے ظاہر کو اخذ کرتے ہیں اور انہی میں تعقل کرتے ہیں۔ لہٰذا ناکمل علم پر عقلی امور (مثلاً محاکمہ، تدبر، تمیز، ادراک و شعور وغیرہ) کا اطلاق غیر معیاری فکر و نظریات اور خواہشات سے مغلوب عقائد کی صورت میں نکلتا ہے۔

ایسے نفوس کو اگر حقائق واضح اور کھول کر بیان کر بھی دیے جائیں تو اس کے فہم و ادراک سے قاصر رہتے ہیں۔ چونکہ علمی قدرت محدود ہوتی ہے۔ اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے، لہٰذا حقائق کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود انکے اعتراف کرنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے۔ اگر حقائق کو تسلیم تبعی طور پر کر بھی لیں تو تاویلات اور حیل و حجت سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایسے نفوس کے نفسیاتی تجزیے کو متعدد مرتبہ ذکر فرمایا گیا ہے تاکہ قلب سلیم کے حامل نفوس ان افعال سے اجتناب کریں اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے پرہیز کریں۔ کیونکہ ایسے افراد اہل حق کو حق سے دور پھیر لے جانے کی تدابیر میں مصروف رہتے ہیں تاکہ اہل حق و باطل کے مابین تفریق کو وہ ختم کر سکیں اور اپنے دل کی کڑھن و چبھن کو دور کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ حق سے انکار کرنے کی ان نفوس کی تاویلات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ○ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ○ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ○ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ○ (الاسراء: ۹۰ تا ۹۳)

ترجمہ: اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے۔ یا تیرے لئے کھجور یا انگوروں کا ایک باغ ہو اور پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسے تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ یا تیرے لئے سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، کہیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔

ایسے افعال پر اصرار کرنے والے نفس اللہ تعالیٰ کے غضب کو سمیٹتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے اور توبہ کی کفایت چھین لی جاتی ہے اور وہ آخرت میں باذن اللہ

دردناک اور رسوا کن عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ٥ (الزمر: ۷۰)

ترجمہ:اور ہر شخص نے جو عمل کیا ہوگا اسے پورا پورا اجر دیا جائے گا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسکو خوب جانتا ہے۔

نفس کے افعال و اعمال اور ہیجانات کا مجموعی تاثر کردار کہلاتا ہے۔ لغت العربیۃ میں کردار کے لئے ''اخلاق'' اور ''سلوک'' معروف الفاظ ہیں۔ خُلق (اخلاق) سے مراد نفس کے اوصاف و خصائل ہیں جنکے اظہار سے نفس کی توضیح بمعنی طبیعت و خصلت ممکن ہے۔ جبکہ خَلق سے مراد نفس کا ظاہری شکل وصورت ہے۔ خُلق بذریعہ بصیرت اور خَلق بذریعہ بصارت قابل ادراک ہیں۔ اعمال پر مداومت عادت کا موجب بنتے ہیں۔ جبکہ وہ اعمال جو ہم مخصوص حالات میں اختیار کرتے ہیں اور ہمارے کردار کے موقف کو بیان کرتے ہیں، رویئے کہلاتے ہیں۔ مخصوص حالات واقعات میں اختیار کئے گئے رویئے اور عادات مجموعی طور پر عرف میں ''اخلاق'' سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔

دین اسلام میں تشکیل اخلاق کے لیے اللہ تعالیٰ ،شریعتِ محمدیہ ﷺ کو اصول مقرر کرتا ہے۔ اسی کے تناظر میں معاشرتی خصوصیات و اظہار ذات کے اوصاف وخصائل کا تعین ہو گا۔ علاوہ ازیں، دین اسلام میں اخلاق کی بنیاد رضائے الٰہی پرمبنی ہے۔ لہذا وہ تمام افعال و جذبات جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں معاون ہوں اور محمد رسول ﷺ کی سنت اور طریقے پر مبنی ہوں دین اسلام کا مطلوب ومقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ وَ آمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ٥ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ٥ (محمد: ۲،۳)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ،اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے، جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، اور ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کردیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی یہ اس لیے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر

کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی اور بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی ، اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔

<u>ذات کے لئے عملی اوصاف:۔</u>

دین اسلام ، اپنے اہل ایمان سے مخصوص امور کی انجام دہی کا تقاضا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں مذکور احکامات میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆شرک نہیں کرتے۔☆ناحق قتل نہیں کرتے۔☆فحاشی اور بدکاری کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔☆اگر گناہ ہو جائے تو توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں۔☆نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔☆لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔☆زکوۃ ادا کرتے ہیں۔☆اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔☆اپنے عہد اور امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔☆زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ☆جاہل لوگ ان سے بات کریں تو ان پر سلامتی بھیجتے ہیں۔☆جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔☆نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی ، بلکہ اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔☆جھوٹ اور بے ہودہ کام سے عزت ووقار سے گزر جاتے ہیں۔

ان اوصاف حمیدہ سے متصف فرد ذہنی ونفسیاتی الجھنوں سے دور پُرسکون شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اور اگر معاشرہ ان اُصولوں پر مبنی ہو تو اس کا اسلوب وطرز معاشرت ذہنی و نفسیاتی انتشار و جرائم سے پاک ہوتا ہے۔ ساتویں صدی کی ریاستِ مدینہ تاریخ میں اس کی عمدہ مثال ہے۔عہد جدید میں شاید ہم کسی ایسے معاشرے کی مثال نہ پیش کرسکیں۔ لیکن یہ بھی امر حقیقت ہے کہ جن ممالک میں اسلامی قوانین نافذ العمل ہیں وہاں ذہنی ونفسیاتی بیماریاں ، خاص طور پر خودکشی کا تناسب دیگر ممالک سے نہایت کم ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ عالمی، سرکاری وغیر سرکاری ادارے ذہنی ونفسیاتی انتشار و بیماریوں کی بڑھتی ہوئی شرح کی روک تھام کے لئے سیمینار، عوام الناس میں ان امراض سے متعلق شعور بڑھانے کے لئے ٹریننگ و آویرنیس ورکشاپس Training and awareness workshps اورنفسیاتی کلینکس کا اہتمام کررہے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ذہنی ونفسیاتی

امراض کی روک تھام کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ مثلاً:

۱۔ عصبیت سے بالاتر ہوتے ہوئے، عالمی سطح پر قرآن وسنت کی روشنی میں انسانی ذات و کردار کی بیانیہ و تجرباتی تحقیق Descriptive and Experimental Research کی جائے۔ ان مصادر سے اخذ کردہ اصولوں پر ذہنی امراض کی تشخیص اور ان کا علاج تجویز کیا جائے۔

۲۔ مذکورہ سلسلے میں ساتویں صدی میں ریاست مدینہ کے پرسکون معاشرے کے قیام کی تاریخی تحقیق Historical Research کے ذریعے ان عوامل کی شناخت کی جائے جس کی بناء پر ۲۳ سال کے عرصے میں عرب کی وحشی قوم، انسانی معاشرے کی بہترین مثال پیش کرتی نظر آتی ہے۔

۳۔ مذکورہ بالا نکات سے حاصل شدہ علمی مواد کو کسی علاقے پر نافذ کر کے اس کے نتائج کا جائزہ لیا جائے۔

یقیناً مذکورہ تحقیق اس امر کی مکمل دلیل ثابت ہوگی کہ ذہنی و نفسیاتی امراض کا علاج صرف دین مبین یعنی اسلام میں پوشیدہ ہے۔ پھر کیا چیز مانع ہے کہ دین اسلام کو نظام و ضابطہ حیات تسلیم نہ کرلیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ South East Asia Region Organization, WHO

۲۔ www.searo.who.int/en/Section1174/Section1199/Section1567.htm

۳۔ Mental Illness Facts and stats, pdf file obtained from www.responseability.org

۴۔ Mental Health: A Call for Action by World Health Ministers,pg7, Ministrial Round Tables 2001, 54th World Health Assembly, WHO, www.who.int/mental_ health

۵۔ South East Asia Region Organization, WHO

۶۔ www.searo.who.int/Section1174/Section1199/Section1567 6745.htm

۷۔ یہاں نر و ناری سے مراد حضرت آدم اور حوا علیہم السلام ہیں۔ عہد نامہ قدیم کی کتاب پیدائش کے

دوسرے باب کے جملہ نمبر ۲۱ تا ۲۳ میں درج ہے کہ "اور خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا۔ اور خدا نے اس پسلی سے جو آدم سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر آدم کے پاس لایا۔ اور آدم نے کہا یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے"۔

۸۔ What Do Jews Believe?,David S. Ariel,New York, Schocken Books,1995, Pg. 51

۹۔ پاک روح کا کام، نشار شریان، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۰ء

۱۰۔ رومیوں ۳:۲۳ تا ۲۳، بائبل

۱۱۔ Susan C Cloninger, Personality, Descriptions, Dynamics and Development,W.H. Freeman & Company, New York, 1996, Pg.389

۱۲۔ Lestor A Lefton, Psychology, Allyn & Bacon, USA, 2000, Pg 16

۱۳۔ Robert B Ewen, An Introduction to Theories of Personality, L. Erlbaum, 5th Edition, 1993 Pg 23

۱۴۔ Lestor A Lefton, Psychology, Allyn & Bacon, USA, 2000, Pg 409

۱۵۔ Barbara Englar, Personality Theories: An Introduction, Houghton Miffin Harcourt Publishing Company, USA, 2009, Pg 93.

۱۶۔ Barbara Englar, Personality Theories: An Introduction, Houghton Miffin Harcourt Publishing Company, USA, 2009, Pg 4

۱۷۔ Lestor A Lefton, Psychology, Allyn & Bacon, USA, 2000, Pg 413

۱۸۔ Susan C Cloninger, Personality, Descriptions, Dynamics and Development,W.H. Freeman & Company, New York, 1996, Pg.395

۱۹۔ سورۃ الملک:۱۴

۲۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، مترجم: مولانا ظہور الباری اعظمی، کراچی، دار الاشاعت، ۱۹۸۵ء، کتاب الجنائز، باب ۹۳، حدیث ۱۳۸۵

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۹۸۔۱۰۰

انتخاب

ترقیٔ علوم

سرسید احمد خانؒ

مسلمانوں میں ترقی علوم کی ایک عجیب سلسلہ سے ہوئی ہے۔ سب سے اول بنیاد ترقی علوم کی جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی کہ انہوں نے زید ابن ثابت کو متعین کیا کہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک یک جا جمع کر کر بطور ایک کتاب کے لکھ دیں چنانچہ انہوں نے لکھا جیسا کہ اب موجود ہے۔

دوسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کو اس وقت ترقی ہوئی جب کہ لوگوں نے حدیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اگرچہ اول اول لوگ اس کو برا جانتے تھے (اور شاید ان کی رائے صحیح ہو) مگر دوسری صدی میں سب نے اس کی ضرورت کو قبول کیا اور حدیثوں کو جمع کرنے اور حدیث کی کتابوں کے لکھنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے اول کس نے اس کام کو شروع کیا بعضے کہتے ہیں کہ سب سے اول امام عبد الملک بن عبد العزیز ابن جریج بصری نے جنہوں نے ۱۵۵ ہجری میں وفات پائی کتاب تصنیف کی۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ابو نصر سعید ابن عروبہ نے جنہوں نے ۱۵۶ ہجری میں انتقال کیا، کتاب تصنیف کی اور بعضے کہتے ہیں کہ ربیع ابن صبیح نے جو ۱۶۰ ہجری میں مر گئے سب سے اول کتاب لکھی اور اسی زمانہ کے قریب میں سفیان بن عیینہ اور مالک ابن

انس کی تصنیفات مدینہ میں، اور عبد اللہ ابن وہب کی تصنیفات مصر میں، اور معمر اور عبد الرزاق کی تصانیف یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد ابن فضیل ابن غزوان کی کوفہ میں اور حماد ابن سلمہ اور روح ابن عبادہ کی بصرہ میں اور ہشیم واسط اور عبد اللہ ابن مبارک کی خراسان میں شائع ہوئیں۔

تیسری دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اس وقت ہوئی کہ بعض لوگوں نے عقاید مذہبی میں اختلاف کیا اور فرق بدع و اہواء کا شیوع ہوا اور علم کلام میں کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوئیں پھر اسی علم کلام کو اور زیادہ ترقی ہو گئی جبکہ تردید مسائل فلسفہ یونانیہ بھی جو عقاید اسلام کے برخلاف تھے اس میں شامل کیے گئے۔ سب سے اول اس علم میں حارث محاسبی نے کتاب تصنیف کی جو حضرت امام احمد حنبلؒ کا ہمعصر تھا۔ اول اول علماء اور اتقیاء اس علم کو زندقہ و الحاد سمجھتے تھے پھر رفتہ رفتہ اس کی ایسی ضرورت معلوم ہوئی کہ فرض کفایہ تک نوبت پہنچ گئی۔

چوتھی دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی خلفاء عباسیہ کے عہد میں ہوئی کہ یونانیوں کے علوم یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوئے اور مسلمانوں میں رائج ہوئے۔ اول اول ان علوم پڑھنے والوں پر بھی کفر و ارتداد کے فتوے ہوئے مگر چند روز بعد یہی علوم مدار فضیلت و کمال قرار پائے۔

پانچویں دفعہ مسلمانوں کے علوم کی ترقی اس وقت ہوئی جب کہ مسلمان عالموں نے معقول و منقول کی تحقیق کو ایک امر لازمی اور ضروری سمجھا اور یقین کیا کہ بغیر اس کے انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اس فن میں سب سے زیادہ کمال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کیا۔ ان کی کتاب احیاء العلوم گویا سرچشمہ اس فن کا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں امام غزالیؒ کی نسبت بھی کفر کے فتوے ہوئے اور ان کی کتاب کے جلا دینے کے اشتہار کیے گئے مگر آخر کو حجۃ الاسلام ان کا لقب ہوا اور ان کی کتاب کو تمام عالم نے تسلیم کیا۔

اس کے بعد بہت کم کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں مگر اخیر زمانہ میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ ہوئے اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ لکھی جو بلحاظ اس

زمانہ کے درحقیقت نہایت عمدہ اور عجیب لطیف کتاب تھی۔

مگر اب یہ تمام وقت جن کی کہانی ہم نے بیان کی گذر گئے اور اب بڑی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں دو طرح پر علوم کی ترقی ہو۔

اول۔ جس طرح کہ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت ہم مسلمانوں نے حاصل کی تھی اب فلسفہ و حکمت جدیدہ کے حاصل کرنے میں ترقی کریں کیونکہ علوم یونانیہ کی غلطی اب علانیہ ظاہر ہو گئی ہے اور علوم جدیدہ نہایت عمدہ اور مستحکم بنیاد پر قائم ہوئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جس طرح علماء سابق نے معقول یونانیہ اور معقول اسلامیہ کی مطابقت میں کوشش کی تھی اسی طرح حال کے معقول جدیدہ اور معقول اسلامیہ قدیمہ کی تطبیق میں کوشش کی جاوے تاکہ جو نتائج ہم کو پہلے حاصل ہوئے تھے وہ اب بھی حاصل ہوں۔

اس کام کے کرنے میں بلا شبہ بہت سے نادان برا کہیں گے اور زبان طعنہ دراز کریں گے مگر ہم کو اس پر کچھ خیال کرنا نہیں چاہیے کیونکہ جن اگلے لوگوں نے ایسا کیا تھا ان کا بھی یہی حال ہوا تھا مگر آخر کو سب لوگ اس کی قدر کریں گے۔

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ ذی قعدہ ۱۲۸۸ھ)

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۱۔۱۰۵

تبصرۂ کتب

شعوبیت ۔ ایک مطالعہ
ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر
بار اول، جنوری ۲۰۱۱ء
قرطاس، کراچی
صفحات ۲۱۸، قیمت ۱۵۰
مبصر، مفتی محمد اعظم سعیدی

محترمہ نگار سجاد ظہیر صاحبہ شعبہ اسلامی تاریخ جامعہ کراچی سے وابستہ ہیں اور اپنے موضوع پر واقعی استادانہ دسترس کی مالک ہیں، قبل ازیں موصوفہ کی متعدد کتب سے استفادہ کا موقع ملا ہے اور انہی صفحات میں گلہائے تحسین بھی پیش کر چکا ہوں اس لیے کہ میری سوچ کے صحرا میں وہی خود رو پھول اگے ہوئے تھے جو نگار صاحبہ کی کتابوں میں اگے ہوئے تھے، مگر زیر نظر کتاب کے مندرجات کے حوالے سے میری سوچ کچھ مختلف ہے۔

محترمہ نگار صاحبہ نے عرب کے بادیہ نشینوں کی عرب سے نکل کر عجم پر ان کی حکمرانی و سطوت کو دینی محبت اور عربوں سے مذہبی عقیدت سے سرشار ہوکر ایرانی، ترکستانی اور رومی شعوبیت کو قلم کی نوک پر رکھا ہے، جب کہ راقم اپنے صحراؤں میں شعوبیت کے جلوے دیکھنے کا خوگر و عادی ہے، ۲۱ ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا صحرائے تھر اور چولستان کے علاوہ صحرائے تھل اور دامان کے امن پسند اور تیر و تفنگ سے ناآشنا باسی ہزاروں سالوں پر محیط پے در پے قبضہ گیری کے خلاف، حملہ آوروں کے دین کی آڑ میں اہل تسویہ کا رول ادا کریں اور یمین السطور اپنی عظمت رفتہ کے گیت گائیں تو میں ان کے اس عمل کو اور قبضہ گیروں کی ہجو و تنقیص کو زندیقیت کا نام نہیں دے سکتا۔

خلاصہ کتاب یہ ہے کہ مفتوح و مغلوب (ایرانی، ترکی، رومی) لوگوں کا عربوں کی مذمت کرنا اور ہر معاملہ میں ان کی تنقیص کرنے کا نام شعوبیت ہے اور پھر دینی حمیت، عربوں سے عقیدت کے ناطے شعوبیوں کے گلے میں زندیقیت کی مالا ڈال دی گئی ہے یعنی مفتوحوں کی ذلت کا آخری تمغہ،،،،

شعوبیوں کے دو گروہوں میں ایک کو اہل تسویہ کا نام دیا گیا ہے، یہ مغلوب و مفتوح قوم کے وہ لوگ تھے جنہوں نے عربوں کی سیادت، فضیلت و برتری کے رجحان کے مقابلے میں اپنی مغلوب و مفتوح قوم کی تذلیل و تحقیر کے مداوا کے لیے قلم کو ہتھیار بنایا اور عرب فاتحین کے دین کو ڈھال بنا کر انسانی مساوات کا علم بلند کیا اور عزت و تکریم کی بنیاد تقوی کو قرار دیا، اہل تسویہ مسلمان تھے مگر فاتحین کے نغمہ سراؤں کی طرف سے زندیق ٹھیرائے گئے۔ جب کہ دوسرا گروہ "المتطرفون" کہلایا جو عربوں کے رجحان حق حکمرانی اور واثق شوکت و ثروت کے مقابلے میں اپنی قوم کو حملہ آوروں کے مقابلہ میں اخلاقی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، معاشی اور صنعت و حرفت کے حوالے سے برتر قرار دیتا تھا، اور اپنی دینی، جسمانی، روحانی، ذہنی، شخصی، تہذیبی آزادی و مختاری پر قبضہ گیری کو ناپسند کرتا تھا، اپنی غلامانہ اور خواتین کی کنیزانہ زندگی انہیں قبول نہیں تھی، جس پر انہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے قلم اٹھایا مگر زندیق ٹھیرائے گئے، بقول محترمہ نگار سجاد صاحبہ اہل اسلام میں ان کی کتب کو پذیرائی نہ ملی اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، خوش عقیدگی کے حوالے سے ان کی بات سو فیصد درست ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فاتحین، مغلوبوں کے علمی شاہکار اور تہذیبی آثار کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو ہلاکو نے بغداد میں کیا تھا، کیا اموی، علوی، فاطمی، عباسی ان کی کتابوں کو پذیرائی بخشتے ؟

حملہ اور قبضہ گیر کے خلاف فطری ردعمل کا نام شعوبیت ہے۔ قطع نظر اس سے کہ قبضہ گیری یا فتوحات کا پس منظر دینی ہو یا وسائل معاش پر قبضہ گیری ہو، ہر ایک پس منظر سے فاتح، مغلوبوں کی معیشت، خود مختیاری، حق خود اختیاری سلب کرتا ہے، مفتوحوں کی تذلیل و تحقیر اپنا حق اور جزو ایمان سمجھتا ہے، کسی ملک یا خطے پر شب خون مار کر اپنا قبضہ و تسلط قائم کر کے جملہ اموال و اسباب کا مالک بن جاتا ہے اور مغلوبوں کے ذرائع معاش میں جزیہ اخراج کی شکل میں اپنا حصہ طلب کرتا، پھر اسے خدائی حکم قرار دیتا، یہ عمل جنگجو فاتح کے نزدیک تو ایمان کا جزو ہو سکتا لیکن مغلوب بطیب خاطر اپنے لٹنے کو قبول نہیں کرے گا، یہی وجہ ہے کہ قومیں اپنے افکار و آثار، مذہبی اقدار، تہذیبی شعائر، وسائل رزق اور سرزمین کے تحفظ کے لیے ہزاروں جانوں کی قربانی دیتی ہیں، اور مغلوب ہونے کی صورت میں غداری اور غلامی کا طوق ان کے گلے میں ڈالا جاتا ہے، ان کی مائیں، بہنیں، بیویاں، بہو بیٹیاں اپنے پیاروں کے قاتلوں کی لونڈیاں بن جاتی ہیں اور وہ لوگ بغیر ان کی رضامندی و نکاح کے ان کے جسموں کو نوچتے اور ادھیڑتے رہتے ہیں، یہ فاتحین، مغلوبوں کو تذلیل کی ایسی دلدل میں پھینکتے ہیں کہ وہ بے چارے زندگی کی بقا کے لیے اپنا دین و ایمان تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور انتہا یہ ہے کہ جب

قبولِ مذہب کے حوالے سے مذہبی طبقات کی تقسیم ہوتی ہے تو مفتوحوں کے قبولِ دین کو کرم خوردہ قرار دے کر آخری طبقہ میں رکھا جاتا ہے، فاتحین کے طرزِ ملوکیت کو عین دین اور مغلوبوں کی خواہش کو زندقیت کہا جاتا ہے۔

انہی مفتوحین میں سے ایک طبقہ، فاتحین کے مذہب کی کسی قدر کے زیرِ سایہ، اشارات و کنایات میں ہی اپنی قوم کی تذلیل میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ سب انسان برابر ہیں کسی عربی و عجمی کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں ہے، اس پر فاتح اپنے مذہبی قانون پر بظاہر تو مہر بلب نظر آتا ہے مگر ایک مغلوب، غلام شخص ہمسری جتائے یہ ناقابلِ برداشت ہے۔

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بنو امیہ تک شعوبیوں کی چند کارستانیوں کا ذکر کر کے پھر عباسی عہد میں عربوں کے خلاف ان کی تدبیروں اور نفرت کے اظہار کو دریدہ دہنی اور زندقیت قرار دیا گیا ہے، یہ شعوبی ایرانی، ترکی اور رومی ہیں، عربوں سے ان کی نفرت کے اہم پس منظر سے صرفِ نظر کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ان شعوبیوں کی خواتین انہی عربوں کی لونڈیاں اور کنیزیں تھیں، اور سوائے دو عباسی حکمرانوں کے باقی ساڑھے پانچ سو سال تک حکمرانی کرنے والے تمام عباسی حکمران غیر عربی عورتوں یعنی کنیزوں اور ام ولد کی اولاد تھے، ایسی صورت میں شعوبیوں کی نفرت کے پس منظر کو سمجھنا چاہیے، ایک ایرانی شہزادی کا نام و ذکر خود مولف موصوف نے بھی کیا ہے، جس نے بالآخر شوہر مامار کی شہادت کے بعد ایران میں دفن ہونے کو پسند کیا۔

بہر حال محترمہ نگار سجاد صاحبہ نے جس جذبہ و عقیدت سے یہ کتاب لکھی ہے، اس کا اظہار پچھلے ٹائٹل میں انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے "شعوبیت، جس کی عام تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ عربوں کی مذمت کرنا اور ہر معاملہ میں ان کی تنقیص کرنا۔ زیرِ نظر کتاب شعوبیت کے اس رجحان کے نشو و ارتقاء کی تاریخ ہے جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا اور جو اپنی انتہا کو تیسری صدی میں پہنچا، جبکہ عباسی برسرِ اقتدار تھے، اسی شعوبیت سے زندقیت کے ڈانڈے ملتے ہیں جس کا جواب خلفاء نے تلوار سے اور علماء نے قلم سے دیا۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ،
ان کا عہد، سوانح و افکار
پروفیسر ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری
ناشر؛ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد۔
صفحات ۱۴۴، قیمت ۱۵۰ روپے
مبصر؛ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق

ڈاکٹر عابد لغاری، ڈائرکٹر اکیڈمی نے ماہنامہ "الولی" کے ۲ء۱۹۷۱ سے ۲۰۰۲ء تک کے شماروں میں شاہ ولی اللہ کی شخصیت اور فکر پر شائع ہونے والے مضامین کو مرتب کر کے اپریل ۲۰۰۹ء میں شائع کیا ہے۔ ان میں شاہ ولی اللہ کی سوانح حیات از ابوسلمان شاہ جہان پوری، شاہ ولی اللہ کی تحریک از ڈاکٹر ایچ بی خان، ولی اللٰہی افکار اور امام عبیداللہ سندھی از صاحبزادہ ظہور الحق دین پوری، حالات شاہ ولی اللہ و شاہ اہل اللہ دہلوی از حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ کے ملفوظات از سلیم الدین احمد اور حضرت امام ولی اللہ کے فکر کی اہمیت دورِ جدید میں از شیخ بشیر احمد شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی فکر کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ قیمتی تحفہ ہے، جسے ہر لائبریری میں ہونا چاہیے۔

شاہ ولی اللہ کی تحریک کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے ڈاکٹر اشتیاق حسین کا یہ مختصر تجزیہ کافی ہے "قیاس یہ ہے کہ بڑی تیزی اور تواتر کے ساتھ بھاری بھاری ضربیں لگنے کے باعث دماغ ماؤف ہوگئے ہوں گے اور ان میں گہرے سوچ بچار کی صلاحیت نہ رہی ہوگی۔ مفکر اور حساس دماغوں کے لیے حزن و ملال کے یہ اندھیرے بہت گہرے رہے ہوں گے مگر اس قسم کے مواقع پر بعض ایسے مفکرین پیدا ہوجاتے ہیں جو واقعات کا تحلیلی جائزہ لیتے ہیں اور قوم پر طاری ہوجانے والے مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قوم کی زبوں حالی نے شاہ ولی اللہ کو پیدا کیا" (برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ(۱۹۸۹ء)، ص ۲۹۵، شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی)

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے قیام کا مقصد ان کے افکار و تعلیمات کی اشاعت ہے۔ موجودہ ڈائرکٹر نے "فیوض الحرمین مع اردو ترجمہ سعادتِ کونین" سمیت شاہ ولی اللہ کی کئی کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے اور "تحریکِ آزادی میں سندھ کا کردار" جیسے اہم موضوع پر اپنی تالیف دو جلدوں میں شائع کی ہے، وہ ماہنامہ الولی اور اکیڈمی کی کتب کے قارئین اور لکھنے والوں کے دائرے کو وسعت دینے کے لیے بھرپور کاوش کر رہے ہیں۔

اگر پیش لفظ میں ان مضامین پر تنقیدی جائزہ شامل ہوتا تو ان مضامین کی اہمیت بڑھ جاتی۔

پاکستان کے موجودہ حالات میں قوم کو جس سیاسی بصیرت، دینی قیادت اور مذہبی وحدت و یگانگت کی ضرورت ہے اس کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم کی تعلیم اور فکر کی طرف رجوع کی شدید ضرورت ہے۔ علامہ اقبال اور سید مودودی اس فکر کی صدائے بازگشت ہیں۔

آج کے حالات میں شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے کس طرح رہنمائی حاصل کی جائے اس پر تفصیل سے لکھا جائے۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک میں اس کی واضح رہنمائی موجود ہے۔

کتاب اخباری کاغذ پر گتے کی خوبصورت جلد کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

Poet Qazi Nazrul Islam's contribution to Muslim Nationalism in South Asia

Dr. Mohammad Abu Tayyub Khan

Qazi Nazrul Islam was a great poet and writer of ghazals. His literary activities were spread over a period of about twenty five years from 1917 to 1942. His writings exude strength and boldness. However his chequerred career was underlined with ups and blown, poverty and sufferings. He always believed that Islam gives great importance to the spirit of independence and bravery. He was greatly impressed by Prophet Muhammad (S.A.W) and the bravely of great Muslim Generals like Khalid bin Waleed, Musa Bin Nusaire, and Tariq Bin Ziyad etc. He imbibed teachings of the Prophet and pristine achievements of the Muslim caliphs and Generals to evolve an equalitarian outlook. In his zeal for the upliftment of Muslim Bengal, Nazrul Islam wrote a large number of poems on the theme of Islamic Universal brotherhood and the Muslim glories. Of recent history he regarded Mustafa Kamal Pasha 'Attaturk' as the savior and builder of Modern Turkey. Nazrul Islam believed with the ideal of Kamal Attaturk Muslim prestige and political status can be regained. He revolted against the British occupation of India. British rulers put him into prison for about one year (November 23, 1922 to December 15, 1923),a charge of sedition and proscribed his

books and writings for what they called radical. Nazrul Islam's writings proved catalyst in awakening the Muslim Bengal. His contributions to building Muslim identity can be equated with poet Allama Iqbal no doubt of contradiction. Such contributions by the two undeniably paved the way to creation of Pakistan. Hence research like under consideration, based on 'objective explorations and critical analysis' is needed most to keep the young generations both in Pakistan and Bangladesh acquainted with sustained efforts of Allama Iqbal and Qazi Nazrul Islam in the creation of Muslim states. Such studies are vital to ensure 'unity of thoughts and actions' to forge onward march. Had not Nazrul Islam created 'cultural consciousness' not only among the Muslims of Bengal but also in South Asian Muslims.

Nazrul's contribution to Muslim Nationalism.

Qazi Nazrul Islam's poems and ghazals aroused an all pervading Muslims renaissance in Bengal and added irresistible strength to the cultural consciousness that Muslims were a nation. Like Allama Iqbal, Nazrul drew inspirations from Qur'anic teachings and imbibed the progressive spirit of Islam. Nazrul single handedly gave life to Muslim Bengal and eventually galvanized Bengali Muslim mind for collective struggle to accomplish the aspirations of the Muslims in South Asia as is evidenced in his letters and writings.

Qazi Nazrul Islam's ghazals were tinged with 'fragrance aroma' of Iranian Saadi, Hafiz, Jaami and for the first time he introduced and assimilated their genres in Bengali literature.[1] This had pastive telling

effects on Bengali Muslims psyche. His songs on Makka (Mecca), Medina, Prophet Muhammad (SAWS), Eid, Moharram, and the Azan bespeak eloquently and elegantly his devotion to Islam and Muslim achievements during the hey-day of Muslim rules beyond Arab world.

In such poems Nazrul emerges as an inspiring Muslim renaissance figure. On the one hand he sang of Islam's pristine glories, on the other, he tried to rouse the Muslims from their 'inertia' by satirizing their backward-looking, narrow and selfish preoccupations and mourning the past. The moving Islamic songs of Nazrul touched the hearts of all segments of Bengali population and forced them to review their attitude to modernity.

His poetic works contain evocative similes, imageries, allegories andsoothing rhythm and music. Combined together, these fall on the ears as cascade. It was unique in Bengali literature as not seen earlier. His poetry infused self-confidence and respect in the mind of Bengali Muslims, effecting at the same time a link of continuity with the processes of their past history. He attained the magnificence because of his adherence to Qur'an and its intrinsic teachings.

He aborted fanaticism and all the above fundamentalism. He also initially championed the Hindu – Muslim unity, apparently under the Qur'anic belief i.e. Man's greatness.

Nazrul in his writings appears unhappy at the sight of demoralized and decaying Muslims. He felt that it was so because Muslims had forsaken path of truth, justice and forgotten the teachings of equality, liberty and

fraternity of Islam. They had steeped themselves in a life of inertia and sloth.

Nazrul sensibilities as a poet were touched, his emotions as a Muslim were roused, and hence we find Nazrul writing poem after poem, song after song, in a bid to rouse his fellow-brethern from their stupor. The Bengali Muslims of the twenties and thirties saw him with Pride that here was a Muslim poet who could write with such beauty and power to elicit the unstinted admiration of millions of Bengali readers. Only the Muslims of that time could feel how wonderful it was to see the elements of Islamic faith and culture, its past history and wealth of thought made a vital part of Bengali literature in a style where Bengali Persian and Arabic words and idioms blended together effectively and harmoniously.

Nazrul's poetic works are largely inspired by Qur'anic verses and pristine Islamic history. His attachment to Holy Qur'an may be gauged from the fact that his greatest desire was to render Qur'an in poetry. In the preface of his Kybbyo Ampara, a poetic translation of the last para (verse) of the Holy Qur'an he wrote: "The biggest desire of my life was to render a rhymed, poetic translation of the Holy Qur'an".[2] It was an important milestone in his life as he wanted to define himself categorically. However, he could not accomplish his precious desire as he suffered paralytic attack in 1942 when he was at his prime.

Nazrul always believed that the undecaying verses of Qur'an are to guide the entire mankind and not specifically the Muslims. Hence he always drew inspirations from the Qur'anic verses to write his poetry. He absorbed the Qur'anic intrinsic spirit as is reflected in his huge number

of songs and poems. Apparently enthused by Qur'anic verses he became a messenger of free human spirit, of universal brotherhood, of courage, of dignity, of peace and harmony, of unity and co-operation, of what is right and just, of what is true and beautiful of love and compassion, of non - dogmatism and non – fanaticism.

Therefore, his works must not be viewed with myopic sight. He was a great poet by any standard. He had never subscribed to any political creed and always denounced all social and religious bigotry as prevalent in India in his time. Hence his songs and poems became instantly popular and are still revered.

Great writers invariably introduce multiple strands in their writing which inspire people in various ways. Awareness of the range, variety and many dimensions in their works are essential for a balanced appraisal of their merit. In piecemeal treatment one is apt to get a lopsided view and encourage faulty assessment. We can safely approach the parts only when we have a sound appreciation of the whole; if we do not remember thi in our preoccupation with Nazrul's poems on Islamic themes we shall, on the one hand, diminish his stature as a poet and on the other, betray the basic canons of literary judgment. By virtue of his poems on Islamic themes Nazrul has undoubtedly become a great poet of Muslim renaissance.[3]

Hence Nazrul is, above all, a poet of humanism, of spirited revolt against injustice and of the liberation of humanity from all suffocating bonds as also advocated by the Holy Qur'an through its ever lasting verses. As

Nazrul calls himself says in his one of the poem as the "Poet of the world".

Qazi Nazrul Islam appeared on the horizon of Bengali literature when the Muslims in particular and the Indian in general were passing through a crucial phase of history in the twentieth century. With the fall of Osmani Khilafat, the Khilafat movement in India as elsewhere lost its momentum and gradually died. In this situation, Qazi Nazrul Islam took upon himself the responsibility and penned 'fiery poems and songs' to stir the Muslims from stupor to attain the objective.

Eminent Bengali writer Principal Ibrahim Khan of Karatian College (Mymensingh) in Nazrul Parichiti (Introduction of Nazrul) wrote: "I have been charmed. Whoever has read him had become charmed. Nobody could imagine that Islamic words could be set in Bengali language just like pieces of diamond. Bengali Muslim youths were charmed and enchanted and convinced."

Dr. Qazi Motahar Hussain says: "Nazrul's mind was concentrated towards the main teachings of Islam".[4] Munir Chouduary says: "Nazrul Islam is the poet of rebellion, poet of revolution, poet of equality. He is the poet of love and hatred, unity and struggle... The political struggle that ended with the achievement of Pakistan was getting emotional root in the hearts of people through the songs of Nazrul.[5]

Afsanuddin in his Shahitter Pathe says: "He (Nazrul) will always be remembered as an epoch making poet. He attained the position of National poet of the Muslims of Pak-Bengal" (Bangladesh).[6]

Abul Kalam Shamsuddin, an eminent writer, says Nazrul Islam, "is another epoch making poet, he introduced a complete separate poetic style against (the then established) Michel Madusudan Dutta and Rabindranath Tagore".[7]

Nazrul's contemporary writer Qazi Abdul Wadud has remarked: "The poetry of Nazrul has been one of the contributing factors to the awakening of the (Muslim) masses that we now see around us. From that point of view, his historical importance is very great indeed".[8]

Nazrul Islam won the hearts of the Muslims of Bengal. He became a national poet. But how it was possible? He was a Muslim and had a great love for the Muslims. His heart ached when he saw the oppressing condition of the Muslims throughout the world. He attacked the ruling English authority in India through his mighty pen. Similarly, he appealed to the Muslims to get up, give up lethargy, rise and play the authoritative role in the world. He did not give any philosophy, nor any formula from his own. He called upon the Muslims to take lessons from the Holy Qur'an and tread the path of the Prophet. (Peace be upon him).

Nazrul conceived very well the fact that the fall of the Muslims is due to the degradation and derailment from the real track of Islam. They have failed to produce men of real faith and action like Hazrat Abu Bakr, Hazrat Omar, Hazrat Usman and Hazrat Ali. He cherished to have again braves and warriors like Khalid bin Walid, Tarik bin Ziyad and Musa bin Nussair. He sang on each of them to incalculate the ethos of Islam among the demoralized Muslims of Bengal. He appealed to the Muslims to light the candle of knowledge, which springs from the Qur'an. Right

from the first book of poem 'Agni Bina' to the last speech he delivered at a literary conference held at Calcutta in 1941 he focused on a central point and the point is Islam.[9]

How much regard he had for Islam can be visualized from his poetic books. That was a time when the secularists and the socialists made the torch bearers of Islam their target of attack. These anti-Islamic forces understood that if the sense of regard from the hearts of the common Muslims for Ulema could be removed and instead of love and hatred could be generated, their purpose would be served. Ulema have a special place in Muslim society. Common men are ready to come to the street at their call and can stand as a 'hill rock' against anti-Islamic way of life. Therefore, the shrewd policy makers of so-called Congress secularist and communist lobby charged the Ulema for backwardness and liability on the society. Just at that moment Nazrul wrote, "The Moulvi of Maktab is just like our father, he is the representative of the Holy Prophet (SAWS). The worldly men remain busy in worldly affairs but according to him the Moulvi Sahib works day and night for keeping the light of 'Deen' aflame. It is he who gives us knowledge of Qur'an. It is due to him we can claim to be man. When people sleep he lets them know that the dawn has appeared. Without him we cannot think of 'Maulud Sharif'. He comes to console us at the time of sorrows and depression. He does not hanker after wealth; it is due to his untiring struggle and sermons the villagers can pass a peaceful life. We are free from all sorts of evils due to his moral teachings.[10]

In his poem entitled 'Azan' Nazrul says, "When we remain busy in worldly affairs, when we pass our valuable time in idle gossip, when we

make our mind vicious just contemplating on heinous affairs, when we forget the fact that in every passing moment we are proceeding to the grave to rise again before our Lord for accountability, we hear the melodious sound of Azan-Allah is Great, Allah is Great. Though we do not understand the real significance of this call, yet a particular type of spiritual change is felt in our inner core of heart. Just at that moment, though for a while, we feel that we will have to leave this world. Through this call of Azan we can realize the fact that we, the creature on earth, have a relation with our Lord. Lest we forget this fact Azan makes us aware and reminds us five times a day that we should get ready for all sorts of sacrifices as we practice at dawn, at noon, at afternoon, after sunset and at midnight".[11]

Hundreds of quotations can be cited from his poetic collections in this regard. Nazrul Islam always felt for the downtrodden Muslims of Bengal and of the world. He appealed to the Muslims for getting up again and fight tooth and nail for taking the leadership of the world. He enlivened the conscience of the Muslims of Bengal, got them prepared for rising against the British and Hindus domination and exploitation. He made them know their role in the world again. He was really a poet of Islamic Renaissance. The future generations of the Muslims of Bengal in particular will remember him with best regards, honour and compliments.

Qazi Nazrul Islam's sentiments and subjects were also unmistakably Islamic in characters and identity, the heroes he introduced and popularized in Bengali literature were not self-conscious in the least. They were Muslim in name as well as in conduct. Nazrul Islam made